ربٰو کی تعبیر اور جدید مالیاتی لین دین کے ضمن میں
"..... فلکم رؤوس اموالکم" کا مفہوم

جناب محمد ایوب، اسٹیٹ بنک کراچی

ربٰو یعنی سود کا حرام ہونا اسلام کے معاشی نظام کا اہم ترین ستون ہے۔ سودی لین دین کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانِ جنگ کے مترادف قرار دے کر جو شدید وعید قرآن کریم میں آئی ہے وہ کسی دوسرے گناہ پر نہیں آئی لیے

حقوق اللہ کے ضمن میں جو حیثیت شرک کی ہے وہی حقوق العباد میں سود کی ہے حقوق العباد کی حق تلفی کی صورت میں تو صرف حق والا ہی معاف کرسکتا ہے۔

آج کا معاشی نظام مکمل طور پر سود کی لعنت میں جکڑا جا چکا ہے۔ اس لیے قومی و بین الاقوامی سطحوں پر سود کی وجہ سے پیدا ہونے والی معاشی ناہمواریوں اور ظلم و استحصال کے واضح ہونے کے باوجود اس سے چھٹکارا پانا مشکل نظر آتا ہے۔ اس کی اہم ترین وجہ علمِ دین سے عام غفلت ہے۔ عام مسلمانوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ فلاں معاملہ سودی ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور فلاں میں قمار کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اس غفلت کی وجہ سے کچھ نام نہاد جدّت پسند لوگوں کو کئی اقسام کے مروّجہ سودی کاروبار کو عین اسلامی قرار دینے کا موقع ہاتھ آگیا ہے۔ اس مختصر مضمون کا مقصد ربٰو کو حرام قرار دینے والی ایک اہم آیت مبارکہ کی تعبیر و تشریح کرنا ہے تاکہ مختلف معاشی معاملات میں سودی عنصر کے موجود ہونے یا نہ ہونے کا پتہ لگایا جاسکے۔

قرآن کریم میں ربٰو کو حرام قرار دینے والی اہم آیات درج ذیل ہیں۔

واحل اللہ البیع وحرم الربو ۔
یعنی اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے ۔
(یہ آیت مبارکہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ تجارت کرنا یا سود اینا بھی تو نفع کے لحاظ سے ایسا ہی ہے جیسے سود لینا) پھر فرمایا :

" فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحب النار ھم فیھا خالدون "

(یعنی اللہ کی طرف سے نصیحت (حکم) آنے پر جو شخص سود لینے سے باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ۔ اور جو (حکم آنے کے باوجود سود) لیتا رہا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے)

(۲ : ۲۷۵)

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین

(اے ایمان والو ! اگر تم (واقعتہً) مومن ہو تو (سابقہ قرض کے معاہدوں پر) جو سود ابھی باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو) ۔ (۲ : ۲۷۸)

یہاں اہل ایمان کو ہی مخاطب کر کے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ واقعتہً ایمان دار ہونے کے لیے لازم ہے کہ نہ صرف آئندہ کے لیے سودی لین دین سے اجتناب کیا جائے بلکہ سابقہ معاہدوں پر باقی سود بھی چھوڑ دیا جائے ورنہ کوئی شخص صحیح معنوں میں مومن نہیں ہوگا ۔

مزید وضاحت فرمائی گئی کہ :

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ۔ وان تبتم فلکم رءوس اموالکم ، لا تظلمون ولا تظلمون ۔

(اگر تم (سودی کاروبار) نہیں چھوڑو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو اور اگر توبہ کرتے ہوئے (سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ دوسروں کا نقصان ہے اور نہ تمہارا)

(۲۷۹)

درج بالا آیات میں ہر قسم کے سود کی حرمت اس قدر واضح ہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دے کر ایک واضح کسوٹی مہیا کردی ہے۔ علاوہ ازیں تمام شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے آیت ۲۷۹ میں واضح طور پر فرما دیا ہے کہ قرض کی اصل رقم ہی واپس لینا اور دینا ہوگی۔ سود کی شرح کم ہو یا زیادہ یا قرض پر لگی منفعت کی خواہ کوئی بھی شکل ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اصل مالِ قرض پر جو کچھ بھی زیادہ لو گے وہ حرام ہے۔ اس سے نام نہاد جدت پسندوں کی کلی نفی ہوگئی ہے جو سادہ لوح لوگوں کو سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۰ (اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ) کی بنا پر یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ "سود کی زیادہ شرح یا سودِ مرکب تو حرام ہے مگر عام سود حرام نہیں ہے"

ان کے استدلال کا بودا پن اس سے واضح ہے کہ اگر کسی شخص پر بہت زیادہ تشدد کرکے اسے ہلاک کیا جائے جیسے آج کل کراچی میں ڈرل مشینوں سے انسانوں کے جسم میں سوراخ کرکے اور ان کے ایک ایک جوڑ کو توڑ کر ایذا رسانی سے ہلاک کیا جاتا ہے تو ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ اتنا تشدد بھی صحیح نہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تشدد کے بغیر بندوق کی گولی سے یا بجلی کے ایک جھٹکے سے کسی انسان کو قتل کر دینا صحیح ہوگا۔ مفتی محمد شفیع مرحوم نے " لاتشتروا بایت اللہ ثمنًا قلیلا" (میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت مت لو) کے ضمن میں اس کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے" اس میں تھوڑی قیمت اس لیے فرمایا کہ آیات الٰہیہ کے بدلے اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی لے لو تو وہ بھی تھوڑی قیمت ہوگی۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قرآن کی آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت لینا حرام ہے اور زیادہ قیمت لینا جائز ہے"

حدید دور کے معاملات کے ضمن میں" فلکم رؤوس اموالکم" کی تشریح "واحل اللہ البیع وحرم الربوا" کو مدنظر رکھ کر کرنا ہوگی۔ معاشی دنیا میں سارا کاروبار نفع کی خاطر ہوتا ہے مگر آمدنی کے حصول کے لیے جتنے بھی طریقے ہیں اُن میں اسلام میں جائز وناجائز کی تمیز کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ تجارت میں بھی سرمایہ لگتا ہے مکان بنانے اور کوئی مشین لگانے پر بھی روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ ایسے روپے یا سرمائے پر دیگر شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے جو نفع ہوگا اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ مگر روپے کو قرض کی صورت میں دے کر اس پہ نفع کمانے کے

فعل کو بہت سی وعید کے ساتھ حرام کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل لفظ ربٰو کی تشریح اور اسلام میں نفع کمانے کے جائز طریقوں کے علم سے واضح ہو جاتی ہے۔

لغت کے اعتبار سے ربٰو وسیع مفہوم رکھتا ہے اور کسی چیز پر کوئی بھی بڑھوتری اس میں آجاتی ہے۔ مگر فقہی اصطلاح میں اس سے مراد وہ اضافہ ہے جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل کیا جائے۔

اس میں وہ سود بھی شامل ہے جو روپے کے قرض پر معین شرح کے ساتھ لیا جاتا ہے اور بیع وشرار کی وہ صورتیں بھی شامل ہیں جن میں کوئی زیادتی بلا معاوضہ حاصل کی جائے۔ سورۃ البقرہ کی آیہ مبارکہ نمبر ۲۷۹ میں صرف رأس المال حاصل کرنے اور سود چھوڑ دینے کے حکم کا تعلق پہلی قسم سے ہے جسے فقہاء نے ربٰو النسیہ کا نام دیا ہے۔ چنانچہ اگلے صفحات میں ہم ربٰو کے صرف اس مفہوم سے بحث کریں گے جو قرض دے کر اس پر نفع کمانے کا نام ہے۔

امام مالکؒ مؤطا میں ربٰو کے بارے میں فرماتے ہیں:

"دین اور قرض پر اضافہ لیا جاتا تھا اور میعاد میں اضافے کے ساتھ ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔"

مشہور حنفی فقیہ جصّاص کے مطابق: "ربٰو یہ ہے کہ کسی معین وقت کے لیے اس شرط پر قرض دیا جائے کہ قرض دار کو اصل سے کچھ زائد رقم بھی ادا کرنا ہو۔"

ربٰو کے بارے میں امام مالکؒ اور جصّاص کی درج بالا رائے کا تعلق دورِ جاہلیت کے اُس لین دین سے ہے جس میں باقاعدہ ایک معاہدہ کے تحت قرض خواہ مقروض سے رأس المال پر مقررہ شرح سے سود لیتا تھا۔ قرآن پاک نے نہ صرف اس نوعِ معاملہ کو حرام قرار دیا بلکہ واضح کر دیا کہ دَین کے معاملات میں رأس المال پر مشروط و غیر مشروط ہر قسم کی زیادتی حرام ہے۔ وہ زیادتی پہلے سے طے کردہ ہو یا قرض کی واپسی کے مواقع پر متعین کی جائے تحفے کی شکل میں لی گئی ہو یا قرضخواہ کے لیے کسی خدمت کی شکل میں۔ چنانچہ حدیث کی ایک مشہور لغت نہایہ ابن اثیر میں لکھا ہے "ربٰو کا ذکر احادیث میں بار بار آیا ہے اور اصل میں یہ بغیر عقدِ بیع کے رأس المال پر کوئی زیادتی لینا ہے۔ اسی کا نام ربٰو ہے۔ صحیح احادیث کی رو سے معاملہ قرض میں اصل زر پر لیا جانے والا کسی بھی قسم کا اضافہ کوئی تحفہ یا مقروض کی طرف سے قرض خواہ کے لیے کیا جانے والا کوئی کام ربٰو کی

تعریف میں شامل ہے[۴]

درج بالا تعریفوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی کو قرض دے کر اگر نفع حاصل کیا جائے گا تو وہ حرام ہے اس کے برعکس تجارت میں سرمایہ لگا کر اور عقدِ بیع کے نتیجہ میں جو منافع کمایا جائے وہ حلال ہے[۵] جدید دور کے معاشی اور مالیاتی لین دین کے بارے میں اس امر کا فیصلہ کہ وہ حلال ہیں یا حرام اسی پس منظر میں کیا جائے گا۔ روپے پیسے کی مدد سے کمائی کے جائز طریقوں میں شرعی و اخلاقی ضوابط کے مطابق کی جانے والی تجارت وصنعت وحرفت یعنی حقیقی شعبے (موجود اشیاء) کا لین دین Real Secton Transaction.) اور کسی کاروبار کے نفع یا نقصان کی صورت میں ظاہر ہونے والے نتائج میں اس شرعی اصول کے تحت شراکت شامل ہیں جس کے مطابق کسی بھی شخص کو اس وقت تک منافع کا حق نہیں جب تک وہ نقصان برداشت کرنے کے لیے بھی آمادہ ہو (الخراج بالضّمان)۔

پہلی صورت میں اپنے مال و دولت سے تجارت یا صنعت وحرفت کا کام خود کرنا اور اس سے آمدنی حاصل کرنا اور دوسری صورت کا تعلق سرمائے اور محنت کے اشتراک کے اسلامی تصور سے ہے اشتراک کی دو صورتیں مشارکہ اور مضاربہ ہیں۔ مشترک قسم کے کاروباروں میں شریعت میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ منافع تو طے کردہ نسبت سے تقسیم ہوگا جس کے لیے دونوں فریقوں کے سرمائے کی مقدار کاروبار چلانے میں دونوں کی محنت کو مدنظر رکھا جائے گا مگر نقصان صرف سرمایہ پر ہوگا یعنی سرمایہ فراہم کرنے والے فریق کو ہی برداشت کرنا ہوگا۔ اس سے دونوں میں سے کسی کی حق تلفی اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا اس لیے کہ محنت کرنے والے کے لیے تو یہی نقصان برداشت سے باہر ہوگا کہ اس کی محنت پر اسے کچھ نہیں ملا۔ ستم بالائے ستم سود پر روپیہ فراہم کرنے والا فریق اگر نہ صرف اپنی اصلی رقم بلکہ اس پر متعین سود کا بھی تقاضہ کرے تو نہ صرف سودی رقم حاصل کرنے والے پر بلکہ پورے معاشرے پر یہ صریح ظلم و زیادتی کا سبب ہوگا۔ اس ظلم و ناانصافی سے بچنے کے لیے شریعت میں یہ اصول بنا دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا سرمایہ کسی کو دے کر اس پر منافع کمانے کا خواہش مند ہے تو کاروبار میں نقصان ہونے کی صورت میں اس کا اصل سرمایہ نقصان کی مقدار کے برابر کم ہو جائے گا۔ نفع کی صورت میں اسے طے شدہ نسبت کے مطابق پورا حصہ ملے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی کو اپنا فاضل سرمایہ دے کر اتنا ہی واپس لینا چاہتا ہے تو یہ صورت قرض حسنہ کی ہوگی۔ مقروض

پر صرف اس رقم کو واپس کرنا فرض ہوگا۔

مختلف معاشی و مالیاتی لین دین کی حلّت و حرمت کو پرکھنے کے لیے ایک اہم پہلو مال یا سرمائے کی نوعیت ہے۔ سرمائے کی ایک صورت سونا، چاندی، نقدی یا مروجہ کرنسی نوٹ ہیں۔ اشیائے صرف اور اشیائے پیداوار بھی سرمائے کی شکلیں ہیں استہلاکی اشیاء جو استعمال پر ختم ہو جاتی ہیں کہ اجارہ یا کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اجارہ یا کرایہ کے معاہدے کا اہم عنصر یہ ہوتا ہے کہ اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس سے منافع حاصل کیا جائے۔[۵۶]

اشیائے سرمایہ کو کرایہ پر دیا جا سکتا ہے۔ اُن میں مشینری، کارخانے، گاڑیاں، مکان، باغات و زرعی اراضی شامل ہیں۔ جبکہ سرمائے کو کرائے پر نہیں دیا جا سکتا۔ یہاں سرمایہ اور اشیائے سرمایہ میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے۔ مکان اور گاڑی اور اسی طرح کارخانے یا مشین اشیائے سرمایہ ہیں۔ اُن کو کرائے پر دینا فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ ایسی اشیائے سرمایہ کے استعمال پر اٹھنے عام خرچ تو کرایہ پر لینے والے کے ذمہ ہوگا جبکہ ان کی بنیادی یا اصل حالت کو برقرار رکھنا مالک کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے شرعی لحاظ سے مالک مکان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ مکان کی مرمت کرواتا رہے تاکہ پٹہ دار اس سے معاہدے کے مطابق پورا پورا فائدہ حاصل کر سکے۔

اشیائے سرمایہ کے برعکس سرمایہ بصورت نقدی سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے اسے خرچ کرنا پڑتا ہے اس لیے اس میں اجارہ کی صورت نہیں بنتی۔ اسے خرچ کریں گے تو صرفی استعمال میں تو یہ ختم ہو جائے گا اور پیداواری استعمال میں اس پر نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوگا۔ اس نفع و نقصان میں اوپر بتائے گئے اصول کے مطابق شریک ہو کر تو نفع کمانا جائز ہے مگر اس کو اجارہ کی صورت دے کر اس پر متعین و مشروط فائدہ حاصل کرنا اسی طرح عین سود ہے جس طرح اسے قرض پر دے کر متعین نفع (INTEREST) حاصل کرنا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اشیائے سرمایہ کو کرایہ پر دے کر ماہوار یا سالانہ متعین نفع حاصل کرنا تو جائز مگر سرمایہ یعنی روپے پیسے یا نقدی کو قرض پر دے کر مدت کے برابر راست معاوضے کے طور پر ماہوار یا سالانہ کم یا زیادہ رقم لینا حرام ہے۔

سرمایہ اور اشیائے سرمایہ کے علاوہ ایک تیسرا لفظ سرمایہ کاری (INVESTMENT) ہے جو مالیاتی دنیا میں بہت زیادہ مستعمل ہے۔ سرمایہ کاری پر منافع لینا جائز ہے یا نہیں اس کا فیصلہ

سرمایہ کاری کی نوعیت پر ہوگا۔ جائز صورتوں کا تعلق سرمایہ کاری سے منتج ہونے والی اشیائے سرمایہ اور مشترک سرمائے کے ایسے کاروبار سے ہے جو" الخراج بالضمان" کے تحت کیا جارہا ہو اور جس میں ہر فریق اپنے سرمائے کے لحاظ سے نقصان بھی برداشت کرے*۔ مثال سے اس کو اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے کہ مروجہ مشترک سرمایہ کے کاروبار میں حصص کا کاروبار جائز ہے بانڈز جن پر متعین نفع واجب الادا ہوتا ہے، کی بنیاد پر کیا جانے والا کاروبار ناجائز۔

گذشتہ ساری بحث سے یہ ثابت ہوا کہ کاروباری معاملات تین اقسام کے ہیں :

۱۔ بیع یا تجارت کے معاملات۔ ۲۔ قرض کے معاملات۔ ۳۔ مشترک سرمایہ کے معاملات۔ قرض کے معاملات میں تو پہلے سے متعین کردہ یا واپسیٔ قرض کے وقت دی جانے والی اصل زر سے زیادہ رقم سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے جبکہ بیع یا مشترک کاروبار میں شرعی اصول وضوابط کے اندر رہتے ہوئے سرمائے پر حاصل ہونے والا نفع حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو نہ صرف حلال قرار دیا ہے بلکہ اسلام نے اس کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی ہے۔ اسلامی نظام معیشت کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دولت کے گردش میں رہنے پر زور دیا گیا ہے اور ارتکازِ دولت کو ایک معاشرتی برائی قرار دے کر معاشی سرگرمیوں کو تیز تر رکھنے کو کہا گیا ہے۔ اس کے لیے اسلام نے آمدنی ٹیکس تو لازم نہیں کیا۔ مگر زکوٰۃ کی صورت میں بچتوں یا جمع شدہ دولت پر ٹیکس عائد کیا ہے۔ چنانچہ موجودہ دور میں یہ لازمی ہے کہ اگر لوگ کسی بھی وجہ سے اپنی فاضل دولت کو پیداواری کاموں میں لگانے سے قاصر ہوں تو وہ مشترک سرمائے کے کاروبار میں حصہ لیں اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے پیداواری نتائج کی بنیاد پر نفع / نقصان میں شریک ہوں تاکہ زیادہ فائدہ حاصل کر کے لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر بنایا جاسکے۔

مندرجہ بالا ساری بحث میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ حیلہ کے طور پر قرض کے معاملات کو بیع کا معاملہ قرار دے کر جائز قرار دینا اسلام کے ساتھ ایک مذاق ہوگا۔

---

* اس طرح " الخراج بالضمان " کے اصول پر مضاربۃ کا کاروبار رب المال کیلئے فعال (Active) سرمایہ کاری ہوگا۔ جس پر وہ کاروبار کے نتائج کے اعتبار سے نفع کا حق دار یا نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

عصر حاضر کے ایک مشہور سیاسی و مذہبی لیڈر ڈاکٹر طاہر القادری نے بلاسود بینکاری کے موضوع پر اپنی ایک کتاب میں بینکوں کے تمام مروجہ کاروبار اور حکومتی قرضہ جات کو بیع کا نام دے کر حلال قرار دیا ہے۔ مگر نہ صرف علماء نے ان کا مدلّل جواب دیا ہے بلکہ غلط استدلال کی وجہ سے ان کی یہ بات کوئی پذیرائی بھی حاصل نہیں کر پائی۔[45] ۱۰۰ روپے کو ۱۲۰ روپے میں بیچنے کا معاملہ قرض کے کاروبار کو صرف الفاظ کے ذریعے ہی بیع کا کاروبار قرار دینا ہے۔ جس سے اس کی حرمت اور اصلیت ختم نہیں ہوسکتی۔

اس کے لیے سامان تجارت (مبیع) اور ثمن یا قیمت میں فرق کو سمجھنا ضروری ہوگا۔ ہر مبیع ثمن ہوسکتی ہے مگر ہر ثمن مبیع نہیں ہوسکتی۔ مبیع کسی معاہدۂ تجارت کا اصل مقصد ہے جبکہ ثمن قیمت کی وہ شکل ہے جس میں سامان کی خرید پر معاوضے کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ اشیاء کو نقدی یا ان اشیاء کے عوض جن کی قدر کو نقدی کی صورت میں ناپا جاسکے، بیچنا و خریدنا تو جائز ہے مگر کسی نقدی کو نقدی کے عوض زیادہ (نقد یا ادھار دونوں صورتوں میں) میں فروخت کرنا ناجائز ہے[46] ظاہر ہے کہ جدید دور میں روپے کو روپے سے برابر برابر اور فوری ادائیگی کے ساتھ بیچنا ویسے ہی لایعنی چیز ہے۔ البتہ زرمبادلہ میں مختلف کرنسیوں کے تبادلے کا معاملہ مال کی خریداری کا ہوگا اور ایک ملک کی کرنسی کے عوض دست بدست یا حاضر کاروبار کی صورت میں لی یا دی جاسکتی ہے۔ آج کل زرمبادلہ کا لین دین حاضر سودوں (SPOT BUSINESS) اور مستقبل کے سودوں (FORWARD BUSINESS) کی شکل میں ہوتا ہے۔ حاضر سودے جن کے تحت ایک کرنسی کو دوسری کے عوض ان کی بازاری قیمت / قوت خرید کے لحاظ سے خریدا یا بیچا جاتا ہے بلا اختلاف جائز ہیں۔ حاضر سودوں کی صورت میں مستقبل کے معاشی حالات کے مطابق پیش بینی بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح عام تجارت میں تاجر طلب و رسد کی صورتِ حال کو مدنظر رکھ کر مال کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ مگر مستقبل کے سودے نقود کے لین دین کے اسلامی تصور سے متصادم ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔ سونے و چاندی کے لین دین کے بارے میں فقہ کے قوانین کتب فقہ کے ابواب الصرف میں موجود ہیں۔ سونا یا چاندی تو ثمن اور بیع دونوں ہو سکتے ہیں جبکہ کرنسی نوٹ اور بچت سرٹیفکیٹ وغیرہ صرف ثمن ہیں۔

عبدالرحمٰن الجزیری نے اپنی تصنیف "کتاب الفقہ علی مذاہب اربعہ" میں احناف کے اس نظریہ کا ذکر کیا ہے کہ "مبیع اگر ثمن کی قسم کی ہو تو اس کی خرید و فروخت باطل ہوگی اس لیے کہ ثمن مال کے تابع اور اس کی ایک خاصیت ہے نہ کہ بذات خود ایک مال یہ تبادلہ کا ایک ذریعہ ہے بذات خود کوئی مقصد نہیں"[۵۵]۔ فقہاء کرام نے اس کی بہت زیادہ تفاصیل بیان فرمائی ہیں جن کی یہاں ضرورت نہیں ہے البتہ خلاصہ کے طور پر ایک اصول بیان کیا جاتا ہے کہ مثلی اشیاء کے اُدھار کے لین دین میں اتنی ہی مقدار واپس کرنا ہوگی جتنی لی ہو۔ غیر مثلی اشیاء کا قرض لین دین درست نہیں ہے[۵۶] اس اصول کے تحت ۱۰۰ روپے کے قرض میں ۱۰۰ روپے ہی واپس دینے ہونگے خواہ واپسی کے وقت روپے کی قیمت کم یا زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اس لیے کہ کسی بھی ملک کے تمام عرفیتوں کے کرنسی نوٹوں کی حیثیت مثلی اشیاء کی سی ہے۔ اگر اس پہلو پر غور کیا جائے تو کچھ لوگوں کی طرف سے ظاہر کی جانے والی اس رائے کی بھی نفی ہو جاتی ہے کہ قرض کے لین دین کو افراط زر کی شرح سے منسلک کر دیا جائے (INDEXATION OF LOANS)

(انڈکسیشن ویسے بھی مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے بلکہ اس سے معیشت میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لاطینی امریکہ کے ممالک میں یہ تجربہ کیا گیا ہے جہاں افراط زر کی شرح مزید بڑھ کر ۱۰۰۰ فیصد سے زیادہ تک ہو گئی ہے علاوہ ازیں مبنی بر انصاف اور مکمل انڈکسیشن ناممکن العمل ہے۔

قرض کے لین دین، بیع کے معاملات، سرمایہ اور اشیائے سرمایہ کے بارے میں درج بالا بحث کی بنیاد پر ہیں اس بات کا جواب مل جاتا ہے کہ سود کی حرمت کے ضمن میں" لکم رؤوس اموالکم"، کے مفہوم میں کون سے اموال شامل ہیں اور مختلف اقسام کے جدید مالی و مالیاتی لین دین کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

۱۔ نقدی یعنی کرنسی سکے اور کرنسی نوٹ وغیرہ: یہ اشیاء آیت کے مفہوم میں شامل ہیں۔ یعنی نقدی کے لین دین میں صرف راس المال ہی واپس لیا جا سکتا ہے اور مقروض کی یہ ذمہ داری ہے کہ قرض کی پوری رقم قرض خواہ کو واپس کرے۔ کرنسی نوٹوں کی حیثیت مثلی اشیاء کی ہے۔ جو اصلاً مال متقوم نہیں ہیں حکومت کی گارنٹی کی وجہ سے ان کی صرف ایک قانونی حیثیت ہے۔ عرفی قیمت سے زیادہ میں ان کا لین دین حرام ہے اور قرض کی صورت میں صرف اصل زر

ہی واجب الادا ہے۔*

۲۔ نقدی کے علاوہ دیگر اموال منقولہ: ان میں بھی مثلی یا غیر مثلی اموال کا لحاظ رکھنا ہوگا مثلی اشیاء کے قرض کی صورت میں صرف اصل مال ہی واجب الادا ہوگا۔ غیر مثلی اشیاء کے ضمن میں لین دین نقدی کی صورت میں ہوگا۔ نہ کہ اشیاء کی صورت میں یعنی نقدی کی صورت میں ان کی قیمت متعین کی جائے گی یا ایک کو نقدی کے عوض بیچ کر دوسری خریدی جائے گی۔ ایک من گندم کے عوض ایک من گندم ہی لی جاسکتی ہے اس معاملے کو بیع کا معاملہ سمجھتے ہوئے ۱۰۱ من لینا عین سود ہوگا۔ غیر مثلی اشیاء مثلاً گائے اور اونٹ کے سودے میں قرض کا لین دین نہیں ہو سکتا بلکہ انکی قیمتیں طے کی جائیں گی۔

۳۔ اموال غیر منقولہ مثلاً مکان، اراضی، درخت وغیرہ: چونکہ ایسے غیر منقولہ اموال کو اجارہ پہ دیا جاسکتا ہے اس لیے یہ "لکم رؤوس اموالکم" کے ضمن میں نہیں آئیں گے۔ مکان، اراضی، گاڑی، مشینری وغیرہ فعال (Active) سرمایہ کاری ہیں۔ ان کو کرایہ پہ دے کر منافع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ان اشیاء کو قابلِ استعمال حالت میں رکھنا مالک کی ذمہ داری ہوگی اور رواں اخراجات اجارہ دار کے ذمہ ہوں گے۔ اجارہ کے بارے میں مختصراً اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔

۴۔ بینک میں جمع کرائی گئی رقوم میں اصل زر ہی لینا ہوگا۔ البتہ اگر بحیثیت شراکت کے معاہدے کے تحت بینک کو دی جائیں تو اس صورت میں۔ (i) نفع کی شرح متعین ہونے کی بجائے کاروبار کے نتائج پہ مبنی ہوگی۔ (ii) منفع بالکل صفر بھی ہو سکتا ہے اور (iii) نقصان کی صورت میں اصل سرمایہ نقصان کی حد تک کم ہو جائے گا۔

۵۔ کمپنیوں کے حصص کی صورت میں رأس المال آیۃ مذکورہ میں شامل نہیں ہے۔ حصص کے مالکان کمپنی کے نفع یا نقصان میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ ان پہ متعین منافع نہیں دیا جاتا۔ جدید دور کے مشترک سرمایہ کے کاروبار میں کئی ایک خرابیاں موجود ہیں، جن کو دور کیا جانا چاہیے البتہ حصص کی بنیاد پہ کسی کاروبار کے نفع و نقصان میں شراکت کی صورت میں اصل سرمایہ پہ منافع اصولاً حلال ہے۔

---

* زرِ مبادلہ کی صورت میں مختلف ممالک کی کرنسیاں چونکہ مثلی نہیں ہیں اس لیے انکے لین دین کے اصول الگ ہیں۔

۶۔ گورنمنٹ بانڈز ، بچت سکیموں کے سرٹیفکیٹ اور پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ: حکومت کے بانڈز اور سیکورٹیز اور بچت اسکیموں کے سرٹیفکیٹ میں لگا ہوا سرمایہ" فلکم رؤوس اموالکم" کے مفہوم میں شامل ہے۔ ربوٰا یا سود نہ صرف افراد اور نجی اداروں کے لیے حرام ہے بلکہ حکومت کے لیے بھی سود کی بنیاد پر کاروبار ناجائز ہے۔ آج کل کے دور میں حکومتی قرضہ جات کے تیزی سے ابھرتے ہوئے پہاڑ سودی نظام کے استحصال کی واضح علامت اور غریب و ترقی پذیر ممالک کے معاشی مسائل کا ایک اہم سبب ہیں۔ بانڈ ہولڈر کو ایک متعین شرح سے منافع ملتا ہے۔ آسانی سے ملنے والی رقم حکومت کے عہدیدار بے دردی سے فضول کاموں پر خرچ کرتے ہیں مختلف تمسکات سے حاصل ہونے والی رقوم کے غیر پیداواری مصارف کسی بھی معاشرے کی موجودہ نسل کی خود غرضی کی نہایت افسوسناک علامت ہیں۔ البتہ اگر مشارکت کی بنیاد پر لیا گیا سرمایہ پیداواری منصوبہ جات پر لگایا جائے تو اس سے نہ صرف معاشرے کی موجودہ معاشی صورت حال بہتر ہوگی بلکہ آئندہ نسلوں کے مفادات کا تحفظ بھی کیا جا سکے گا۔ چونکہ بانڈز ہولڈرز مشارکت کی بنیاد پر نفع و نقصان میں حصہ دار نہیں ہوتے اس لیے ایسے رأس المال پر نفع حرام ہے۔

۷۔ پرائز بانڈز: انعامی بانڈز کے کاروبار میں بھی سود کا عنصر شامل ہے۔ بانڈز ہولڈر انعام کی توقع تو رکھتا ہے مگر نقصان برداشت کرنے کی بات اس معاہدے میں شامل ہی نہیں ہوتی۔ وہ جب چاہے اپنے بانڈ کی عرفی قیمت کے مساوی نقدی حاصل کر سکتا ہے اس لیے اگرچہ اس میں متعین شرح منافع نہیں ہوتی پھر بھی یہ کاروبار "الخراج بالضمان" کے اصول پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے خلافِ شرع قرار دیا گیا ہے۔ مزید برآں اس میں ایک دوسری جہت سے نہ صرف سود بلکہ قمار کا عنصر بھی شامل ہے۔ سود اس لحاظ سے کہ حکومت ایک متعین شرح کے حساب سے ہر سیریز پر سود کی رقم کا حساب کر کے اسے انعام کی شکل میں دیتی ہے۔ اس طرح حکومت کے لیے وہ سودی قرضہ کی ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ نتائج کے لحاظ سے سودی لین دین کے نقصانات پر ہی منتج ہوتے ہیں۔ بانڈ ہولڈر انعام کی رقم کو حاصل کرنے کی توقع کی وجہ سے اس گناہ میں برابر کا شریک تصور کیا جائے گا۔ قمار کی موجودگی اس طرح ہے کہ بانڈ ہولڈر بغیر کسی فعال

سرمایہ کاری کے نفع حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ۔ ایک خاص عرصہ تک اگر کوئی انعام نہیں نکلتا تو یہ ان کے لیے نقصان کا باعث ہے کیونکہ اگر وہ اسی رقم کو مشترک سرمائے کے کاروبار میں لگاتے یا خود کوئی کاروبار کرتے تو وہ صحیح سمت میں معاشی سرگرمی کا باعث بنتے ۔
اسی طرح انعامی بانڈز بھی " فلکم رؤوس اموالکم " کے مفہوم میں شامل ہیں ۔

(مصنف اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے شعبہ تحقیق (اسلامک اکنامکس ڈویژن) سے منسلک ہیں اس مضمون میں پیش کردہ آراء ان کی ذاتی ہیں ۔)

حوالہ جات/اشارات

۱۔ محمد شفیع، مفتی: "مسئلہ سود" ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۸۶ء ص ۹

۲۔ ایضاً ص ۶۳

۳۔ ربٰو کے لغوی و اصطلاحی معنوں اور اس میں فقہاء کی آراء کے لیے دیکھئے: "سود" از مولانا مودودی اور "مسئلہ سود" از مفتی محمد شفیع۔

۴۔ (i) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقرض احدکم قرضا فاھدی الیہ وحملہ الدابۃ فلا یرکبھا ولا یقبلہ الا ان یکون جری بینہ وبینہ قبل ذالک۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الصدقات)

(ii) عن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ قال قدمت المدینۃ فلقیت عبداللہ بن سلام فقال لی انک بارض الربوا فیھا فاش فاذا کان لک علی رجل حق فاھدیٰ الیک حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تاخذہ فانہ ربا۔
(صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار)

(iii) وان شرط فی القرض ان یوجرہ دارہ اویبیعہ شیئا او ان یقرضہ المقترض مرۃ اخری لم یجز لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع وسلف ولانہ شرط عقد فی عقد فلم یجز ....
وان شرط ان یوجرہ دارہ باقل من اجرتھا او علی ان یستاردار المقرض باکثر من اجرتھا او علی ان یھدی لہ ھدیۃ او تعمل لہ عملا کان ابلغ فی التحریم۔ (ابن قدامہ المغنی، ج ۷ (دارالمنار قاھرہ ص ۳۱۹، ۳۲۰

۵۔ جزیری، عبدالرحمٰن۔ کتاب الفقہ علی مذاہب اربعہ (اردو ترجمہ) محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء۔ ج ۲ ص ۳۰۳ - ۳۰۶۔

۶۔ "جس فائدہ کی غرض سے اجارہ درست ہے اس سے مراد وہ فائدہ ہے جو اصل شئے کو یا اس شئے کی پیداوار کو ختم نہ کر دے۔ لہذا نقدی کا کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانا اسے ختم کر دیتا ہے"۔ (جزیری ایضاً ج ۳ ص ۶۷)

۷۔ (i) طاہر القادری، "بلاسود بنکاری (عبوری خاکہ)" ادارہ منہاج القرآن، لاہور، مئی ۱۹۸۵ء

(ii) شریف بن فاضل "پروفیسر محمد طاہر القادری کی تصنیف بلاسود بینکاری (عبوری خاکہ) کا اجمالی جائزہ" انٹرنیشنل سروسز کراچی، جنوری، ۱۹۸۸ء

Ayub, Muhammad: "Can we Islamise Financial Transactions without Meaningful Changes"? Economic Outlook, Karachi - January, 1988; PP:19-23

۸۔ (i) جزیری ایضاً ج ص ۵۰۱ - ۵۰۳، ۳۰۶ - ۳۰۸ -

(ii) صحیح مسلم مع شرح از نووی ج ۴ ص ۳۰۶ - ۳۰۸

۹۔ ایضاً ص ۴۵۱، ۴۵۲ ۔

۱۰۔ ایضاً ص ۶۷۹

۱۱۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔ رسائل ابن عابدین ج ۲۔ رسالہ "تنبیہ الرقود علی مسائل النقود" مطبوعہ لاہور۔ ص ۶۲ ۔